عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ/نومبر ۲۰۰۷ء

RegNo.P476

جلد: ششم

شمارہ: 3

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

نماز

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

یہ بار بار دہرایا جا چکا ہے کہ نماز سے مقصود خضوع و خشوع، ذکرِ الٰہی، حمد و ثنا، اپنے گناہوں پر ندامت و استغفار اور اسی قسم کے دوسرے پاک جذبات کی تحریک ہے۔ یہ تمام باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کے لیے ظاہری ارکان کی ضرورت نہیں، لیکن انسان کے قلبی افعال و اعمال کے مظاہر اس کے جسمانی اعضاء ہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ارادہ و نیت اور اس کے دلی جذبات و احساسات کے متعلق اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک اس کے ہاتھ پاؤں اور زبان سے ان کے مطابق کوئی عمل یا حرکت ظاہر نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو ہر انسان اپنی نسبت ولایت اور خیرِ کل ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے اور سوسائٹی کا کوئی ممبر اس کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح سوسائٹی کی بنیاد ہی سرے سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اگر چہ انسان کے اندر کی ہر چیز اسی طرح خدا کے سامنے ہے جس طرح باہر کی اور اس لیے خدا کو ظاہری و باطنی اعمال کی ضرورت نہیں۔ مگر خود بندوں کو ضرورت ہے کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں سے عرض و التجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جائیں۔

انسان اپنے جسم و روح دونوں کے لحاظ سے خدا کا مخلوق ہے۔ اس کی زندگی کے دونوں جزء خدا کے احسانات و انعامات سے یکساں گراں بار ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ خالق و رازق اور اس ارحم الراحمین کے سامنے روح و جسم دونوں جھک کر سجدۂ نیاز ادا کریں، غرض یہ وجوہ ہیں جس کی بنا پر شریعت نے جسم و جان دونوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز کے ارکان مقرر کئے ہیں۔

قرآنِ پاک کی مختلف آیتوں میں ہم کو مختلف قسم کے جسمانی، لسانی اور قلبی عبادتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ جسم کو ادب سے کھڑا رکھنے پھر جھکانے اور سرنگوں کرنے کا حکم ہے۔ مختلف دعاؤں کے پڑھنے کی تاکید ہے۔ خدا کی تسبیح و تمہید کا ارشاد ہے۔ دعاء و استغفار کی تعلیم ہے۔ دل کے خضوع و خشوع کا فرمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا امر ہے۔ اس لئے نماز کی تشکیل اس طرح کی گئی

کہ اس ایک عبادت کے اندر قرآنِ پاک کی تمام جسمانی ،لسانی اور روحانی عبادتوں کے احکام یکجا ہوگئے۔اس لئے ایک نماز قرآن کے تمام گونا گوں جسمانی ،لسانی و روحانی عبادات کا مجموعہ ہے ۔دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں مسلمانوں کو قیام ،رکوع ،سجدہ،تہلیل،تسبیح ،تکبیر،قرأتِ قرآن،ذکرِالٰہی اور درود پڑھنے کے جو احکام عطا کئے گئے ہیں۔ان کی مجموعی تعمیل کا نام نماز ہے،جس میں یہ تمام منفرد احکام مجموعی حیثیت سے انجام پاتے ہیں۔دوسری طرف ان احکام کی بجاآوری میں ایک ترتیب پیدا کی گئی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی اور یہ کام انسانوں کے ذاتی انتخاب پر چھوڑ دیا جاتا کہ جو چاہے سجدہ کرے جو چاہے صرف قیام کرے،جو چاہے زبان ہی سے ذکر وقرأت پر اکتفا کرے اور جو چاہے صرف دل سے دھیان کر کے اس فرض کو ادا کر لے تو ہر فرد سے فرائض الٰہی کے متعدد ارکان چھوٹ جاتے جن پر کبھی عمل نہ ہوتا۔اور عجب نہیں کہ افراد کی طبعی سُستی اور سہل انگاری ان پورے احکام کی تعمیل میں مانع آتی۔سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام مسلمانوں کی عبادت کی واحد اور منظّم شکل پیدا نہ ہوتی،نہ جماعت ہوسکتی اور نماز کو ایک مذہب کی عبادتِ خاص کہا جاسکتا،اور نہ جماعتی رمز وشعار کی وحدت کی شان اس سے پیدا ہوکر مسلمانوں کو واحد امت بناتی اور بتاتی۔

حضرت سید الملت ؒ سیرۃ النبی (صلی الہ علیہ وسلم) جلد پنجم میں نماز کے آدابِ باطنی کی تحت میں لکھتے ہیں:۔

”قرآنِ پاک اور احادیثِ نبویہ میں نماز کے لیے متعدد لفظ آئے ہیں،مثلاً صلوٰۃ،دعا،تسبیح اور ذکرِ الٰہی اور یہ الفاظ خود نماز کی روحانی خصوصیات اور آداب کو ظاہر کرتے ہیں۔نماز جسم وروح دونوں کی عبادت ہے۔اگر اس میں جسم کی حرکت کے ساتھ دل کی جنبش شامل نہ ہو،اور روح میں امتزاز پیدا نہ ہوجائے تو ایسی نماز گلِ بے رنگ اور شرابِ بے کیف سے زیادہ نہ ہوگی۔“

ا:۔اقامتِ صلوٰۃ: نماز پڑھنے کے لیے قرآنِ پاک میں جابجا اقامتِ صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔جس کے معنی صرف نماز پڑھنے کے نہیں بلکہ نماز کو اس کے آداب وارکان وسنن کے

ساتھ ادا کرنے کے ہیں۔اس بنا پر نماز میں اطمینان، ارکان کا اعتدال باطنی خضوع وخشوع ملحوظ رہنا چاہیے، جس کے بغیر نماز ناقص ہوگی۔

۲:۔قنوت: نماز کے آدابِ باطنی میں دوسری چیز قنوت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛

وَقُوْمُوْ لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ (بقرہ۔ ۳۱)، ترجمہ: اور خدا کے سامنے ادب سے کھڑے ہو۔

صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں پہلے باتیں کرلیا کرتے تھے،لیکن جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔کہ یہ یکسوئی اور نماز کی باطنی آداب کے خلاف تھا۔قرآنِ پاک میں جس قنوت کا حکم دیا گیا ہے وہ عجیب جامع لفظ ہے۔لغت میں (دیکھو لسان العرب) اس کے حسبِ ذیل معنٰی ہیں۔چپ رہنا، بندگی کرنا، دعا مانگنا، عبادت کرنا، کھڑے رہنا، دیر تک کھڑے رہنا، عاجزی کرنا۔نماز کے جس قنوت کا اس آیت میں ذکر ہے، اس کے متعدد معنوں میں ہر معنٰی نماز میں مقصود ہے۔کیونکہ نماز میں ذکر وقرأت، تسبیح واستغفار، سلام وتشہد کے سوا تمام انسانی ضرورتوں اور باتوں سے خاموشی ہوتی ہے۔وہ خدا کی بندگی بھی ہے، دعا بھی ہے، عبادت بھی ہے، اس میں دیر تک قیام بھی ہے اور عاجزی کا اظہار بھی ہے۔اگر ان میں سے کوئی بھی نماز میں کم ہو تو اسی قدر نماز کے اوصاف میں کمی ہوجائے گی۔

۳:۔خشوع: تیسری چیز خشوع ہے۔چنانچہ قرآنِ پاک میں نمازیوں کی یہ صفت آئی ہے۔

اَلَّـذِیْـنَ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ (مومنون۔ ۱) ۔ترجمہ: (وہ مومنین کامیاب ہیں) جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرتے ہیں۔

خشوع کے معنٰی یہ ہیں۔بدن جھکا ہونا، آواز پست ہونا، آنکھیں نیچی ہونا، یعنی ہر ادا سے مسکنت، عاجزی اور تواضع ظاہر ہونا۔(لسان العرب)۔

اس لیے نماز خدا کے سامنے اپنی مسکینی۔بیچارگی اور افتادگی کا اظہار ہے۔اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو گویا نماز کی اصلی غرض فوت ہوگئی۔

۴:۔تبتل: تبتل کے اصلی معنی کٹ جانے کے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں، خدا کے سوا ہر چیز سے کٹ کر صرف خدا کا ہو جانا، ظاہر ہے کہ یہ ایک مسلمان کی زندگی کا حقیقی نصب العین ہے۔مگر قرآن پاک میں جہاں اس کا حکم ہے۔سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت کے متعلق ہے۔یعنی نماز کی حالت میں خدا کا ذکر کرتے وقت اس کی عظمت اور اپنی عاجزی کے سوا ذہن سے تمام خیالات نکل جانے چاہئیں۔صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عینیہ سلمی سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نماز سکھائی اس کے متعلق یہ فرمایا، کہ وضو کرکے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو، پھر خدا کی حمد کی، ثنا کی، اور خدا کی بزرگی کا اظہار کیا جس کا وہ سزاوار ہے اور اپنے دل کو خدا کے لے ہر چیز سے خالی کرلیا (وفرّغ قلبه لله) تو وہ نماز کے بعد ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں نے اس کو اسی وقت پیدا کیا۔یہ حدیث گویا اسی آیت:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً. (اپنے پروردگار کا نام لے اور ہر چیز سے کٹ کر اسی کا ہو جا) کی تفسیر ہے۔

۵:۔تضرع: تضرع کے معنی زاری اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرنے کے ہیں۔نماز میں بندہ پر عاجزی وزاری اور عجز والحاح کیساتھ سوال کرنے کی کیفیت طاری ہونی چاہیے۔ورنہ اس حکم پر عمل نہ ہوگا۔اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً (اعراف.۷) .ترجمہ: تم اپنے پروردگار کو مسکنت اور زاری کے ساتھ اور دھیمی آواز سے پکارو۔

۶:۔اخلاص: نماز کے باطنی سنن وآداب کا اصل جوہر 'اخلاص' ہے، یعنی یہ کہ نماز سے مقصود خدا کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو۔کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو نماز نماز نہیں بلکہ ریا اور نمائش ہوگی، اور بعض اہل حق کے نزدیک شرک لازم آئے گا۔فرمایا؛ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (اعراف.۳).

ترجمہ: اور تم ہر نماز کے وقت اپنے رُخ کو ٹھیک رکھو اور خدا کو اخلاص کے ساتھ پکارو۔

۷:۔ذکر: نماز خدا کی یاد کے لیے ہے۔اگر دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہو تو خدا کی حقیقی یاد نہ ہوگی۔اسی لیے فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ. (طٰہٰ. ۱)۔ترجمہ: میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو۔ ظاہر ہے کہ یاد صرف زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں ہے۔اس کے ساتھ دل کی معیت اور قلب کا حضور بھی ہونا چاہیے۔اور یہی نماز کی بڑی غرض ہے۔

۸:۔فہم و تدبر: نماز میں جو کچھ پڑھا جائے۔اس کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اگر بے پروائی کی وجہ سے معنوں کی طرف دل متوجہ نہ ہوا تو اس سے دل پر کچھ اثر نہ ہوگا۔اسی لیے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے، کہ اس حالت میں سمجھنے والا دل شرابی کے پہلو میں نہیں، فرمایا: لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. (نساء. ۷) ۔ترجمہ: نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ (اتنا ہوش آجائے کہ) جو تم کہو اس کو سمجھو۔

اس آیت پاک نے واضح کیا کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جائے اس کے سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔اسی بنا پر آپ نے نیند کے غلبہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ اس میں انسان فہم و تدبر سے عاری ہو جاتا ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔"نماز میں جب تم پر نیند غالب آجائے تو سو جاؤ کیونکہ اگر نیند کی حالت میں نماز پڑھو گے تو ممکن ہے کہ دعا کی بجائے اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگو۔" دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا:۔"نمازی کو جب نیند آئے تو سو جانا چاہیے، تاکہ وہ جو کہتا ہے، وہ سمجھے۔" حاکم کی مستدرک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔"جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر نماز پڑھے کہ جو وہ کہتا ہے اس کو سمجھتا بھی ہے، یہاں تک کہ نماز ختم ہو جائے تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اسی دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔" یہ نماز کے وہ باطنی آداب ہیں جن کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔جس طرح نماز کے ظاہری شرائط سے غفلت برتنا، نماز سے غفلت ہے، اسی طرح نماز کے ان باطنی آداب کا لحاظ نہ کرنا بھی نماز سے غفلت ہے اور اس لیے اس آیت ذیل کے مصداق دونوں ہیں. فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ

يُرَآئُوْنَ. (ماعون. ۱) . ترجمہ: پس پھٹکار ہو ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔ ذرا ان الفاظ پر غور کیجئے۔ ''ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے غافل ہیں پھٹکار ہو۔'' نمازی ہونے کے باوجود نماز سے غافل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ نماز کے لیے جو ظاہری آداب، مثلاً وقت کا لحاظ اور ادائے ارکان میں اعتدال وغیرہ اور جو باطنی آداب مثلاً خشوع وخضوع ،تضرع وزاری اور فہم وتدبر وغیرہ ضروری ہیں۔ ان سے نماز میں تغافل برتا جائے۔

نماز کے گذشتہ آداب کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات ،تعلیمات اور عملی مثالیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اصلی حقیقت کو آشکارا کیا ہے۔ ایک دفعہ مسجدِ نبوی میں ایک شخص نے آکر نہایت عجلت میں نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے شخص اپنی نماز پھر پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' اس نے دوبارہ اسی طرح نماز ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ جب تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا، تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! کیسے نماز پڑھوں؟ اس طرح کھڑے ہو، اس طرح قرأت کرو۔ اس طرح اطمینان وسکون کے ساتھ رکوع وسجود کرو۔

نماز میں سر اُٹھا کر اوپر دیکھنا خشوع کے خلاف ہے۔ اس سے انسان کی توجہ ہٹتی ہے اور حضورِ قلب میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں سر اوپر اُٹھا کر نہ دیکھا کرو۔ کیا تمہیں یہ ڈر نہیں کہ تمہاری نظر پھر واپس نہ آسکے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک بندہ نماز میں دوسری طرف ملتفت نہیں ہوتا خدا اس کی طرف ملتفت رہتا ہے اور جب وہ خدا سے منہ پھیر لیتا ہے تو خدا بھی اپنا منہ اس سے پھیر لیتا ہے۔

طبرانی میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو وہ خدا کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔ اور نماز میں منہ پھیر کر ادھر اُدھر نہ دیکھو کیونکہ جب تک تم نماز میں ہو خدا سے باتیں کر رہے ہو۔ (جاری ہے)

بیان

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

خطبۂ ماثورہ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا!

محترم بھائیو اور دوستو! انسان دو قسم کے کاموں میں استعمال ہوتا ہے ایک ذاتی اور ایک اجتماعی۔ ذاتی کام، اپنا کھانا پینا، اپنا لباس، اپنا مکان اور اپنی دیگر ضرورتوں کو پورا کرنا۔ اس کے لئے ہم سوچتے ہیں، تگ و دو کرتے ہیں، ہاتھ پیر ہلاتے ہیں۔ اور ایک اجتماعی مفادات ہیں۔ اجتماعی مفادات یہاں سے شروع ہوتے ہیں، میرا گھر، میرا خاندان، میرا قبیلہ، میرا صوبہ، میرا ملک اور عالم اسلام۔ ہم امت اسلامیہ ہیں ہماری ساری چیزیں اس میں جا کر گم ہو جاتی ہیں۔ اجتماعیت کی بنیادیں ہوا کرتی ہیں۔ اجتماعیت کی بنیاد قومیت ہوتی ہے، لسانیت ہوتی ہے اور علاقائیت ہوتی ہے۔ قومیت، لسانیت، علاقائیت۔ قوم کی بنیاد پر جمع ہونا، زبان کی بنیاد پر جمع ہونا اور علاقے کی بنیاد پر جمع ہونا۔ رنگ کی بنیاد پر جمع ہونا۔ امریکہ میں کالوں کو سفید لوگوں کے ہوٹلوں میں نہیں چھوڑا جاتا، رنگت پر متحد ہیں وہ۔ یہ ساری بودی بنیادیں ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:

؎ بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ افغانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ تورانی

اس میں ایک بہت کمزور بنیاد، بہت گھٹیا بنیاد، بہت ڈھیلی بنیاد، بہت بودی بنیاد اور سب سے زیادہ نقصان دہ بنیاد ہوتی ہے ذاتی مفاد کے تحت استعمال ہونا۔ ہٹلر نے منظّم کیا قومیت (Nationalism) کی بنیاد پر "جرمن قوم" سب کچھ جرمن قوم کے لئے قربان کیا جا رہا ہے۔ اُس نے ایک جذبہ دیا اور اس پر ایک گروہ منظّم کر لیا، جرمن قوم کو منظّم کیا جرمن کے مفاد کے تحت۔ لیکن دنیا کو اُس نے ہلا ڈالا۔ ہٹلر اور اس کے اتحادیوں کو Central Powers (محوری طاقتیں) کہتے ہیں، اس نے دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا کو فتح کر لیا۔ لیکن چونکہ تھا Mania کا نفسیاتی مریض

(Psychaitric Patient of Mania) تھا۔ایسا آدمی ذرا سی دیر میں سارے کاموں کو کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔اُس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ سنبھالنا کسے کہتے ہیں۔لینا ایک بات ہے اور سنبھالنا دوسری بات ہے۔لینا آسان ہوتا ہے،سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔لیکن بہر حال کچھ وسیع تر بنیاد تو تھی،Nationalism،یعنی جرمن قوم کا مفاد۔

اس کے مقابلے میں اتحادی کھڑے تھے۔انہوں نے سوچا کہ اس جذبے کا مقابلہ کس طرح کریں؟ کیونکہ جذبے کا مقابلہ جذبے سے ہوتا ہے۔طاقت سے، اسلحے سے نہیں ہوتا۔جذبے کے پیچھے کوئی اصول ہوتا ہے۔انہوں نے Patriotism یعنی حب الوطنی کا جذبہ دیا Nationalism کے مقابلے میں۔حب الوطنی یعنی وطن پر سب کچھ قربان کرنا۔اتحادی حب الوطنی پر لڑے۔ان کے لیڈر دانشور تھے،Stable تھے۔وہ جم کر کام کرتے رہے۔ہٹلر اور اس کے ساتھی دوڑ کر کام کرتے تھے۔دوڑ کر کام کرنے والا جلد ہانپ جاتا ہے، ہانپ جاتا ہے پھر کانپ جاتا ہے، جب کانپ جاتا ہے تو گر جاتا ہے۔بس اس کا سب کچھ تلپٹ ہو جاتا ہے اور جم کر کام کرنے والے آدمی نے میدان مارنا ہوتا ہے۔اس لئے آخر میں چرچل نے اپنی قوم سے پوچھا کیا حال ہے ملک کا؟انہوں نے کہا تجارت تباہ ہوگئی، زمیندارہ تباہ ہو گیا،مویشی تباہ ہو گئے، ساری چیزیں تباہ ہو گئی ہیں کچھ بھی نہیں رہا۔اُس نے کہا ایک بات پوچھتا ہوں عدلیہ باقی ہے؟چرچل کا سوال ہے اپنے پارلیمنٹ سے، عدلیہ باقی ہے؟ اُنہوں نے کہا ہاں عدلیہ باقی ہے۔ چرچل نے کہا سب کچھ ہمارے پاس باقی ہے۔اور اُس نے کہا I can't give you but tears and sorrows,however, victory is of ours, victory is of ours, victory is of ours.(میں تمہیں آنسوؤں اور سسکیوں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا بہر حال فتح ہماری ہے، فتح ہماری ہے، فتح ہماری ہے۔) کیونکہ عدل و انصاف کو ہم پکڑے ہوئے ہیں۔جو عدل و انصاف کو پکڑے رکھے یہ گرتا نہیں۔

مسلمانوں کی تباہی اس دن سے شروع ہوئی ہے جس دن انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے تحت کام شروع کیا ہے۔ اوہو! مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ بارہ خاندان تاجروں کے بحری جہاز لے کر آئے ہوئے تھے۔ انڈونیشیا اور ملائشیا کے علاقے میں تجارت کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے بڑے عجیب حالات ہیں ان بارہ خاندانوں نے موجودہ انڈونیشیا، موجودہ ملائشیا، موجودہ بنگلہ دیش، ان علاقوں کو مکمل مسلمان کیا ہے اور باقی تھائی لینڈ وغیرہ میں مسلمانوں کی ایک تعداد موجود ہے ان لوگوں کی وجہ سے۔ ان کے دو واقعات بڑے عجیب ہیں۔ دونوں واقعات بڑے کام کے ہیں۔

یہ لوگ حج کے موقع پر بحری جہازوں میں واپس سفر کرتے تھے عرب علاقوں کی طرف۔ حج بھی کر لیتے تھے، اپنے خاندانوں سے بھی مل لیتے تھے اور پھر اپنے کاروبار پر واپس آجاتے تھے۔ یہ لوگ واپس جارہے تھے کہ راستے میں بنگال کے پاس جہاز طوفان میں گِھر گیا۔ سخت اضطراب اور Panic کے حالات ہو گئے۔ ان اضطراب کے حالات میں جہاز والے ملاح کو کوسنے لگے کہ تم بیوقوف ہو، تمہیں طریقہ نہیں آتا، تم کام نہیں کرتے ہو۔ ملاح ان کو کہتے ہیں کہ تم بڑے بدنصیب ہو تمہاری وجہ سے طوفان ہے۔ ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف لگے ہوئے ہیں، لڑ رہے ہیں۔ اور انسانوں کا ایک گروہ ہے وہ چاروں طرف جہاز کے کونوں میں چلے گئے اور وہاں دعا میں لگ گئے اور باقی لوگ سننے لگے کیا کہہ رہے ہیں۔ یا اللہ! تیری پکڑ گناہوں پر آیا کرتی ہے، یا اللہ! ہم گنہگار ہیں، ہم آپ کے حضور توبہ کرتے ہیں۔ یا اللہ! ہماری توبہ کو قبول فرما۔ یا اللہ! تو ہمیں بھی اور جہاز والوں کو بھی بچالے۔ یہ لوگ دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ جہاز طوفان سے نکل آیا۔ اس جہاز کے حالات بنگال کے اس وقت کے فرمانروا کو سنائے گئے۔ کہ ہمارے جہاز میں ایسے آدمی تھے کہ دعا کرتے رہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم ان کی دعاؤں سے نکلے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ان خاندانوں کو لاؤ۔ اُن کو پھر چاروں کونوں میں آباد کیا گیا۔ انہوں نے چاروں کونوں سے تجارت اور دین کا کام شروع کیا اور تھوڑے عرصے میں پورے بنگال کو مسلمان کیا ان تاجروں نے، کیونکہ وہ با مقصد لوگ تھے۔ تجارت مقصدِ ثانوی تھا اشاعتِ دین مقصدِ اولیٰ تھا۔ دوسرا واقعہ بھی عجیب ہے۔ حج کے موقع پر ان کے بحری

جہاز عرب علاقوں کو واپس جارہے تھے۔دیبل کی تجارتی بندرگاہ جسے آج کل کراچی کہتے ہیں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ سندھ کے راجہ داہر کا علاقہ تھا۔بحری ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور جہاز کو لوٹ لیا۔لوٹتے ہوئے سامان چھینا، مردوں کو قتل کیا اور مسلمان عورتوں کو چھینا انہوں نے۔ایک لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے تو اس نے کہا **یاآل الحجاج!یاآل الحجاج !یاآل الحجاج!** (اے حجاج!اے حجاج!اے حجاج!) حجاج عراق کا گورنر تھا۔یہ واقعات آکر حجاج کو سنائے گئے کہ اس طرح مسلمان آرہے تھے اور ان کے جہاز پر ڈاکہ پڑا اور یہ سب کچھ ہوا۔اور ایک مسلمان عورت کو جب گھسیٹ کر لے جارہے تھے تو اس نے یہ آواز لگائی **یاآل الحجاج!** اے حجاج کہاں ہو؟ تو حجاج اپنے مسند پر کھڑا ہوا اور کہا **لبیک یا اُختی!لبیک یا اُختی!لبیک یا اُختی!** (اے میری بہن! میں حاضر ہوں، اے میری بہن! میں حاضر ہوں، اے میری بہن! میں حاضر ہوں)۔اس نے راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ تمہارے علاقے میں ہمارے لوگوں کو ڈاکوؤں نے لوٹا ہے اُس کی دادرسی ہو۔ڈاکوؤں کو پکڑا جائے اور ہمارے لوگوں اور سامان کو واپس کیا جائے جیسا کہ مذاکرات کا طریقہ ہوتا ہے۔تو راجہ داہر نے آگے سے کہا (جس طرح کہ جھوٹے لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے) کہ ڈاکو میرے بس میں نہیں ہیں۔حجاج نے کہا اچھا! جب ڈاکو تیرے بس میں نہیں ہیں تو تجھے حکومت کا حق کس نے دیا ہے۔حجاج بن یوسف نے اپنے سترہ سالہ بھتیجے محمد بن قاسمؒ کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا۔محمد بن قاسمؒ آیا۔اُس وقت مسلمان ایک منظّم حال میں تھا۔معلوم ہوا کہ وہاں سخت گرمی ہوتی ہے اور پانی کڑوا ہے وہاں کا، دوسرے علاقے کے لوگوں کو دست لگ سکتے ہیں، اُس کا کیا علاج کریں گے؟اس کا علاج سِرکہ ہوتا ہے۔ سرکے میں روئی کو بھگو کر روئی کو خشک کر کے اُونٹوں پر لادا گیا۔کہ وہاں پانی میں بھگو کر نچوڑیں گے تو دوبارہ سرکہ بن جائے گا۔اور اُس وقت کی فوجی ترقیات میں سے مسلمانوں کے پاس تین چیزیں تھیں، منجنیق، دبابہ اور نفت۔منجنیق میں بڑے بڑے پتھروں کو رکھ کر کھینچا جاتا اور چھوڑ کر پھینکا جاتا، یہ اُس زمانے کی گولہ باری تھی۔دبابہ لکڑی کی بنائی ہوئی گاڑی ہوتی تھی جس میں لوگ بیٹھ کر اُس کے پہیوں کو دھکیل کر آگے بڑھاتے تھے اور قلعے کی دیوار تک لے جاتے تھے۔اُس پر تیر، پتھر، کھولتا ہوا تیل اور گرم پانی جب پھینکتے تھے تو اثر نہیں کرتا تھا۔اور نفت ایک مصالحہ ہوتا تھا جو تیر کے آگے نوک پر لگاتے تھے تو وہ تیر جہاں گرتا وہاں آگ لگتی تھی۔

محمد بن قاسمؒ نے آکر سمندر کے کنارے اپنا منجنیق نصب کیا۔اُس منجنیق کا نام عروس تھا۔اُس نے جو

پہلا حملہ کیا ہے تو اُلٹ دیا راجہ داہر کو۔ چڑھا ہے چڑھا ہے یہاں تک ملتان تک پہنچا ہے۔

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

لیکن آج تو مفاد کے پیچھے چل رہا ہے، آج تو مفاد کا شکار ہو کر لسانی، قومیتی اور رنگت کی بنیادوں سے بھی نیچے گر کر بالکل انفرادی مفاد پر آ کر کھڑا ہو گیا ہے، یہی تباہی کی علامت ہوتی ہے۔ ایسی قوموں کے آپس میں اختلافات ہوتے ہیں، لڑتے ہیں آپس میں اور ایک دوسرے کو ختم کرتے ہیں۔

افغانستان میں میں نے ۳۵ دن گزارے ہیں، ۱۹۹۲ء میں گیا تھا میں۔ ہم کام کرتے رہے، ہم نے ان کے دانشوروں سے آہستہ آہستہ بات شروع کی کہ اب آپ لوگ ایک دوسرے کو معاف کر دیں، آپس میں صلح صفائی کر لیں اور مجددی صاحب کی حکومت ہے اُن کے ساتھ مل کر ایک قوم ایک ملک بن جائیں۔ غیر ملکی فوجیں یہاں سے نکل جائیں۔ اچانک میں نے یہ بات کہہ دی کہ شمالی اتحاد والوں کو بھی معاف کر دیں۔ اس بات پر جلال آباد کی مرکزی مسجد کا امام گرم ہو گیا۔ اُس نے کہا کیوں معاف کر دیں؟ یہ تو کافر ہیں۔ میں نے کہا کہ اُنہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا ہے، اس کو تم مان لو۔ تو کہا میں نہیں مانتا۔ میں نے کہا جو اپنے آپ کو مسلمان کہہ دے تو اگر مسلمان نہ بھی ہو تو منافق ہو گیا دل کا حال تو اللہ کو پتہ ہے اور منافق کے ساتھ سارا معاملہ مسلمان کا کرنا ہوتا ہے۔ تو وہ مولوی صاحب کہنے لگا کہ حضور ﷺ کے زمانے یہ بات تھی اب نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر مجھے کوئی آیت یا حدیث بتاؤ جس سے یہ پتہ چلے کہ اُس زمانے میں وہ معاملہ تھا اور اب اس طرح ہے۔ آدمی تھا عالم، سمجھ گیا کہ بات تو یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور میں غلط کہہ رہا ہوں۔ اُس نے کہا اگر تم نے پھر ایسی باتیں کیں تو یہاں وقت نہیں گزار سکو گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، اپنا کام کرو، لگے رہو۔ واپس آیا تو یہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ کیا دیکھ کر آئے ہو۔ میں نے کہا میں یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ یہ پچیس سال مزید لڑیں گے۔ ۲۰۰۷ء ہے تو سن ۹۲ سے اب تک پندرہ سال ان کے لڑنے کے ہو گئے ہیں، دس سال ابھی باقی ہیں ان کے لڑنے کے۔ کیونکہ اپنے بھائی سے صلح نہیں کر سکتا اور دشمن کے ساتھ مل کر اپنے بھائی کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے۔

اوہو! جس وقت ٹیپو سلطان انگریزوں کے خلاف لڑ رہا تھا تو نظام حیدر آباد کی فوجیں انگریز کی فوج

کے ساتھ مل کر ٹیپو سلطان کے خلاف لڑ رہی تھیں، اس بات کو میں نے بارہا بیان کیا ہے۔ کہ نظام حیدر آباد کی مسلمان فوجیں انگریزوں کے ساتھ مل کر ٹیپو سلطان کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ یہ آج کی بات نہیں کہ کافر کے ساتھ مل کر ہم اور آپ لڑ رہے ہیں۔ یہ تو اُس وقت سے کافر خریدتا رہا ہے۔ آپ لوگ میری بات غور سے سن رہے ہیں ناں؟

I am telling you the facts which are going to decide your fate and future. (میں آپ کو وہ حقائق بتا رہا ہوں جو آپ کی قسمت اور مستقبل کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔) ہماری سوچ اور **Approach** دانشورانہ ہوتی ہے۔ سیاسی نہیں ہوتی کہ ہم ہجوم کو لے کر چلیں گے اور ہڑبونگ مچائیں گے۔

This is purely something intellectual. I am giving you the principles.

(یہ خالص دانشورانہ بات ہے، میں آپ کو اصول دے رہا ہوں) جن کے تحت تیرا مستقبل بنے گا یا بگڑے گا۔ اب بنائیں یا بگاڑیں وہ آپ کی اپنی مرضی ہے۔

آخر میں ایک لطیفہ آپ کو سنا کر بات ختم کرتا ہوں۔ ایک میری طرح دیہاتی آدمی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے سے اُس کو کاٹ رہا تھا۔ ایک سمجھدار آدمی گزر رہا تھا۔ اُس نے اُس سے کہا دیکھو اس طرح نہ کاٹو، اس طرح تم گر جاؤ گے۔ اُس نے کہا میں گرا نہیں اس کو پہلے سے پتہ ہے کہ میں گر جاؤں گا، بزرگ بنا ہوا ہے۔ خیر جب اس نے کاٹا تو شاخ کٹی اور وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ چوٹیں آئیں لیکن بچ گیا۔ اب دوڑنے لگا کہ وہ بزرگ کہاں ہیں؟ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ تو بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے کہ اُنہیں پہلے سے پتہ تھا کہ میں گر جاؤں گا۔ او بھائی یہ تو ایک سادہ سا اصول تھا اور تو اتنا کم عقل **(Idiot)** تھا کہ تجھے اتنا پتہ نہیں تھا۔ جس کو اتنی سیدھی بات سمجھ نہ آئے تو اس کا کوئی کیا کرے گا۔

یونیورسٹیاں ایسی جگہیں ہوتی ہیں کہ یہاں وہ علم و دانش ہمیں اور آپ کو ملے کہ ہم اپنا اور اُمتِ مسلمہ کا مستقبل بنانے کے لئے اور عالم انسانیت کی قیادت کے لئے آگے بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ ہی فہم نصیب فرمائے۔ ہمارے بس میں تو اتنا ہی ہے۔

درست عقائد ذریعۂ برکت

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

ہمارے ایک دوست رؤف حسن خان صاحب ہوتے تھے۔ لوکل گورنمنٹ میں چیف انجینئر تھے۔ ہندوستان سے ہجرت کئے ہوئے (Migrated) تھے۔ اردو بولنے والے تھے۔ بنیادی طور پر سوری پٹھان تھے۔ اگر چہ پشتو نہیں بولتے تھے لیکن غیرت، حیا، مہمان نوازی اور جرأت بالکل پٹھانوں جیسی تھی۔ طبیعت میں عاجزی (تواضع) تھی۔ خیر وہدایت کی طلب تھی اس لئے مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک میں شامل ہوئے، ہمارے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ سے بیعت ہوئے۔ بہت انہماک سے ذکر اذکار، جماعتوں کی خدمت، جماعت میں نکلنا، حضرت کی مجلس میں حاضری دینا شروع کیا۔ خود دیانت دار آدمی تھے لیکن زمینوں کے کاروبار کے سلسلے میں نوسر بازوں کا شکار ہو کر بہت مشکلات میں تھے۔ ایک دن انہوں نے بطور گلہ کہا کہ ڈاکٹر صاحب ہم سلسلہ میں بیعت ہوئے لیکن مسائل و مشکلات جوں کے توں ہیں۔ ایک دوسرے سلسلے کا تذکرہ کیا جو قوالیوں میں مصروف، نماز روزے سے فارغ مست ملنگ بنے ہوئے تھے، کہ ان کے ہاں جو بیعت ہوئے ان کے مال بہت پھلے پھولے۔ خیر بندہ نے ان کی تسلی کے لئے کہا کہ ان کے سلسلے میں واقعی حرام مال بہت پھلتا پھولتا ہے کیونکہ وہاں نہ تو خوفِ خدا ہے نہ شریعت کا لحاظ۔ ہمارے ہاں تو حلال کو ترقی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ کیا پتہ یہ حال ہمارے لئے زیادہ مفید اور موزوں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے:

وَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ط وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o (بقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (معارف القرآن)

یعنی بعض اوقات ہم ایک چیز کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ ہمارے لئے شر ہوتی ہے اور ایک چیز سے ہمیں ناگواری ہوتی ہے لیکن وہ ہمارے لئے بہتر ہوتی ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازل سے فیصلہ فرماتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں ہم نہیں جانتے۔ خیر اس کے بعد بندہ نے ان کے لئے بہت دعائیں کروائیں لیکن دعا قبول نہ

ہو۔اچانک ایک دن باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ سود تو صرف اس کو کہتے ہیں کہ آپ کسی غریب کو اس کی ضرورت کے لئے پیسے دیں اور پھر اس پر اضافہ وصول کریں۔لیکن جو پیسے آپ کسی کاروبار کے لئے دیتے ہیں اس پر جو اضافہ لیتے ہیں وہ سود نہیں۔ بندہ کو بڑا افسوس ہوا کہ ان کا تو عقیدہ ہی ٹھیک نہیں اور اگر عقیدہ ٹھیک نہ ہو تو اعمال کے پہاڑ بھی انسان کو فائدہ نہیں دیتے۔اور عقیدہ کے سلسلے میں صرف چند الفاظ اور تصورات کے بدل دینے سے کفر اسلام اور اسلام کفر سے مبدل ہو جاتا ہے۔ بندہ نے ان سے پوچھا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے معلوم کی کیونکہ بندہ کے سامنے دنیائے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اور مسائل کی بحث کے معرکۃ الآرا ادارے حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی میں کہیں یہ مسئلہ ایسے نہیں۔انہوں نے کہا کہ یہ ڈپٹی نذیر احمد کی تفسیر سے سیکھا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد ایک ریٹائرڈ جج تھے۔کسی وقت دینی مدرسے میں پڑھتے تھے اور درمیانے درجے کا ادھورا علم حاصل کئے ہوئے تھے۔عربی اچھی تھی، دیوانِ حماسہ اور سبع معلقات پڑھے ہوئے تھے۔جس مسجد میں پڑھتے تھے اس کے امام صاحب نے محلے کے چودھری کے ہاں مصالحہ پیسنے کی ڈیوٹی بھی ان کے ذمے لگائی ہوئی تھی۔ کیونکہ چودھری صاحب امام صاحب کا بھی خیال رکھتے تھے اور مسجد کی خدمت بھی کرتے تھے۔ مصالحہ پیسنے کے دوران چودھری کی بیٹی ازراہِ مذاق ایک چھوٹی ڈنڈی سے ان کو ہاتھوں پر مارتی رہتی تھی۔خدا کی شان جج بننے کے بعد یہی لڑکی عقدِ نکاح میں آگئی۔ یہ طالب علم ہی تھے کہ ایک دفعہ ایک انگریز ماہرِ تعلیم مدارس کے قابل طلباء کو کالجوں کے لئے منتخب کرنے کے لئے انٹرویو لینے آئے۔ یہ تماشے کے لئے وہاں گئے۔ قد چھوٹا تھا کسی نے دھکا دیا اور یہ انگریز ماہرِ تعلیم کے آگے جا گرے۔اس نے دیوانِ حماسہ اور سبع معلقات پوچھا۔انہوں نے فرفر سنا دیا اور یوں کالج کے لئے منتخب ہو گئے۔ادھورا علم تو تھا ہی، جج بننے سے دانشور بھی بن گئے۔

؎ فکرِ فروز مندے کہ فرنگ داد مارا

ہمہ آفتاب لیکن اثرِ سحر ندارد　　(اقبال مرحوم)

ترجمہ: وہ روشن خیالی جو انگریز نے مجھے دی وہ ساری سورج ہے لیکن اس میں صبح کرنے کا اثر نہیں ہے۔

خلاف شرع قانون پر فیصلے دیتے دیتے دل بھی سخت ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسی تفسیر لکھ ماری جس میں اور غلطیوں کے علاوہ عقائد تک خطرناک چھیڑ چھاڑ کی گئی۔

رؤف حسن صاحب بندہ کی جمعہ کی تقریر سننے کے لئے آتے رہتے تھے۔ بندہ نے کئی جمعے اس موضوع پر تقریر کی۔ اللہ کے احسان سے ان کا یہ نظریہ ٹوٹا۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے شیخ ومربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ تو مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے دعائیں قبول فرمائیں کہ مسائل حل ہوئے اور ایسے عابد، ذاکر شاغل ہوئے کہ قابلِ رشک ہوئے۔ اتنی خدمتِ خلق کی کہ قابلِ رشک موت نصیب ہوئی۔ اللہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۳۲ سے آگے) حدیث سے یہ بات تصریح کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے الفاظ سے اس قدر عشق تھا کہ آپ خود تلاوت کرتے ہی تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا **اعلیک اقرأ علیک انزل او کما قال** کیا نبی ﷺ کو میں سناؤں؟ حالانکہ آپؐ ہی پر اترا ہے۔ فرمایا ہاں! میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آخر نبی ﷺ نے صحابیؓ سے یہ درخواست کیوں کی؟ حالانکہ سارا قرآن آپ کو حفظ تھا۔ اور اس کے معنی بھی آپؐ کے ذہن میں حاضر تھے۔ صرف اسی لئے کہ قرآن کے الفاظ سے آپ کو عشق تھا اور دوسرے کی زبان سے سننے میں بوجہ یکسوئی مزہ زیادہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ صرف الفاظِ قرآن بھی بغیر لحاظِ معنی کے مطلوب ومقصود ہیں۔ صاحبو! اس سے بڑھ کر الفاظِ قرآن کا فائدہ اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی قرأت کی طرف بہت توجہ فرماتے ہیں اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ اگر عاشق کو کسی سے یہ معلوم ہو جائے کہ محبوبہ تیرا گانا سن رہی ہے تو بتلایئے وہ کیسے مزے لے لے کر گائے گا اور کس طرح بنا سنوار کر پڑھے گا۔ پس نبی ﷺ سے افضل اور اصدق کون مخبر ہوگا۔ سو نبی ﷺ نے ہم کو خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ قرآن پڑھنے والے پر بہت متوجہ ہوتے ہیں اور نہایت توجہ سے اس کی قرأت سنتے ہیں۔ اس سے بھی الفاظ کا مشہور ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ قرأت اور استماع الفاظ ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی کے۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم قرآن پڑھتے ہوئے اس امر کا استحضار کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ ہماری قرأت کو سن رہے ہیں۔ اس مراقبہ کا یہ اثر ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کر کے قرأت کی جائے گی اور بے پروائی کے ساتھ نہ پڑھا جائے گا۔

(ڈاکٹر محمد طارق کا انتخاب)

سانچ کو آنچ نہیں (دوسری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

سانچ کو آنچ نہیں والے مضمون کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے دوسرا واقعہ عرض کر رہا ہوں۔

بندہ ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء دو سال لاہور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج ایم فل کرنے کے لئے مقیم رہا۔ کالج کے ہاسٹل میں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کا ایک طالب علم بطور مؤذن کام کر رہا تھا۔ رب نواز نام، جھنگ کا رہنے والا۔ بندہ سے باقاعدہ بیعت تو نہیں تھا لیکن اسے بندہ سے بہت مناسبت اور تعلق تھا۔ ذہنی استعداد زیادہ نہیں تھی اس لئے دو درجے پڑھ کر اپنے گاؤں واپس ہو گیا۔ مدارس کی برکت سے گاؤں جاتے ہی اپنی ویران مسجد کو آباد کیا۔ اذان جماعت شروع کرائی۔ مقامی جاٹ قوم کا زمیندار تھا، کچھ نہ کچھ اپنی زمینداری شروع کر دی۔ خود زیادہ دینی کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے تبلیغی مرکز جا کر درخواست کر کے جماعت منگوائی اور اس کے ذریعے سے دینی فضا بنانا شروع کر دی۔ گردو پیش میں اہلِ تشیع آباد تھے۔ ان کو یہ ساری باتیں بہت بری لگیں۔ اس لئے انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور تنگ کرنے کا آغاز کر لیا۔ یہ برداشت کرتا رہا۔ ایک دن ان سب نے مل کر اُن کے گھر پر مسلح حملہ کر دیا اور آ کر فائرنگ کی۔ اپنے بچاؤ کے لئے اور انہیں بھگانے کے لئے رب نواز کو بھی فائرنگ کرنا پڑی۔ اپنی حفاظت کے لئے حکومت کا منظور شدہ اسلحہ (Non-Prohibited bore) رکھنا ہر شہری کا حق ہے۔ اس فائرنگ سے ایک آدمی مر گیا۔ حالات یہی بتا رہے تھے کہ ایک طرف اتنی تعداد کے صاحبِ حیثیت لوگ اور دوسری طرف ایک عام غریب آدمی۔ تو ظاہر ہے گرفتار اسے ہی کرنا تھا۔ رب نواز جان بچانے کے لئے بھاگ گیا۔ کچھ دن بعد اسے احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے بوڑھے والدین اور بہن بھائی پولیس کی اذیت میں آ رہے ہیں۔ اس لئے اللہ کا نام لے کر خود جا کر گرفتاری پیش کر دی اور صحیح صحیح بیان دے کر اپنے فائر کرنے کا اقرار کر لیا۔

تھانے دار نے شکل و صورت دیکھی ایک معصوم نوجوان اور اتنی سادگی سے گرفتاری اور اقبالِ

جرم کررہا ہے۔اس نے پوچھا مولوی صاحب کچھ گاڑی وغیرہ چلا سکتے ہوں؟ رب نواز نے روس کے خلاف جہاد میں حصہ لیا ہوا تھا۔اس لئے جیپیں چلانا سیکھا ہوا تھا۔اس نے کہا ''جی چلا سکتا ہوں۔'' تھانیدار نے کہا ہماری غاڑی چلاؤ۔اور بچوں کو سکول لایا لے جایا کرو۔کچھ دن کام کرتا رہا ہے۔ایک دن تھانیدار نے کہا کہ آپ کے کیس کی تفصیلات مکمل ہوگئی ہیں لہٰذا آپ کو بطورِ ملزم حوالات میں ڈالنا ہو گا۔

حوالات میں اندر کرلیا اور مقدمہ چلنا شروع ہوگیا۔اہلِ تشیع کا دعویٰ تھا کہ آدمی ربّ نواز نے آگے سے فائر کر کے قتل کیا ہے۔اور ربّ نواز نے بھی فائر کا اقرار کیا ہوا تھا۔مقدمہ چلتا رہا ۔ڈاکٹر کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پہنچی ۔بقول ربّ نواز عدالت میں پیشی ہوئی ۔کیس پر بحث ہوئی اور عدالت میں مکمل بری کردیا۔سب لوگوں کو حیرت۔علاقے میں دبدبہ قائم ہوگیا کہ ربّ نواز کے صدرِ پاکستان کے ساتھ براہ راست تعلقات ہیں۔اسی لیے چھوٹ گیا۔جبکہ حقیقت کیس کی یہ ہے۔کہ جب ڈاکٹر کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آئی تو اس میں لکھا تھا کہ مقتول کی کھوپڑی میں گولی پیچھے سے داخل ہوئی ہے اور آگے سے نکلی ہے۔جبکہ رپورٹ میں ربّ نواز کا آگے فائر کرنا لکھا ہوا تھا۔تو گویا پیچھے سے جو اہل تشیع فائر کررہے تھے، یہ قتل اس فائر سے ہوا۔ربّ نواز نے بتایا کہ ہم غریب لوگ ۔ہمیں پتہ بھی نہیں تھا، کہ ڈاکٹر کی رپورٹ بھی ہوتی ہے، اس کے ساتھ رابطہ کرنا ہوتا ہے۔بس اللہ تعالیٰ کا آسرا، وہی مسبب الاسباب، واقعی جسے اللہ لکھے اسے کون چکھے۔

(صفحہ ۲۸ سے آگے)

مظاہر العلوم سہارنپور جیسے اسلامی مدرسہ کے صدر مدرس، حضرت تھانویؒ کے مجاز وخلیفہ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد اور سینکڑوں علماء کے استاذ ہونے کے باوجود مولانا کی زندگی بے حد سادہ، ان کی جائے رہائش بہت معمولی اور ان کی پوری زندگی اسباب واموال سے خالی تھی ۔ چٹائی پر اٹھنا بیٹھنا معمول تھا ۔مولانا کے نزدیک یہ دنیا ایک قیام گاہ اور ایک منزل نہیں تھی بلکہ راستہ اور رہگزر تھی ،اور ان کے انداز و اطوار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ اس شاہراہ سے گزر کر منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہیں ۔

حالتِ نزع (تیرہویں قسط)

(ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈسرکٹ سپیشلسٹ کوہاٹ)

ایک مریض میرے پاس کافی عرصہ سے آ رہا تھا۔ اس کی عمر ۳۶ سال کے لگ بھگ تھی۔ اسے دل کی بیماری تھی۔ دل اپنی حالت سے زیادہ بڑا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے پھیپھڑوں میں اکثر پانی زیادہ ہو جاتا جس کی وجہ سے اس کا سانس تیز چلتا تھا اور تکلیف زیادہ ہو جاتی تھی۔ مختلف جگہوں سے اس نے علاج کروایا لیکن بیماری بڑھتی گئی۔ کافی دفعہ میرے پاس داخل ہوا۔ کچھ افاقہ ہوتا تو گھر کی تمنا کرتا کہ ڈاکٹر صاحب مجھے میرے بچوں کے پاس جانے کی اجازت دے دو۔ آخری دفعہ جب میرے پاس آیا تو اس کے چہرے کا رنگ کافی بدلا ہوا تھا۔ یرقان کی زیادتی کی وجہ سے چہرہ پیلا سا تھا۔ یہ غالباً اس کی جگر کی سوزش کی وجہ سے ہوا جس میں دل کی بیماری کی وجہ سے سوجھن ہو گئی تھی۔ جب بھی میرے پاس آتا۔ اس کی بیوی ساتھ ہوتی اور کچھ رشتہ دار جو اس کو ہسپتال پہنچا کر واپس چلے جاتے۔ بیوی اس کے پاس رہتی۔ جو دیکھ بھال کرنا ہوتی وہ کرتی۔ اس دفعہ بھی وہ بیوی کے ساتھ ہی آیا۔ اس کو انتہائی نگہداشت وراڈ میں داخل کر دیا گیا۔ دوسری صبح میں اس کو دیکھنے گیا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ چہرے کی پیلاہٹ زیادہ گہری ہو گئی تھی۔ لیبارٹری ٹیسٹ کے مطابق اس کا یرقان کافی زیادہ تھا۔ خون کی بھی کمی تھی۔ دل کی حرکت کافی کمزور لگ رہی تھی۔ پہلے کی نسبت غنودگی زیادہ تھی۔ اس کی نظر خالی خالی سی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اپنی آنکھوں سے اردگرد دیکھتا ساتھ بیٹھی ہوئی گھر والی کو دیکھتا پھر آنکھیں بند کر لیتا۔ میں نے ادویات تجویز کیں۔ پھر دوسرے بیمار کی طرف بڑھ گیا۔ کافی دیر کے بعد پھر میں اس کو دیکھنے گیا۔ اب کہ بار اس کے تین چھوٹے بچے بھی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید ان کو کوئی لایا تھا اپنے ابو سے آخری دفعہ ملانے کے لیے۔ وہ بڑے سہمے ہوئے بینچ پر بیٹھے تھے۔ انکے کپڑوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ غریب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مریض کی گھر والی نے اپنے شوہر کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ سر اس کی چارپائی پر رکھ کر آہستہ آہستہ آنسو بہا رہی تھی۔ مریض اب تقریباً اپنے

اردگرد کے ماحول سے نا آشنا سا تھا۔اس کی بے ہوشی گہری ہوگئی تھی ۔ میں ایک انجکشن کا اضافہ کر کے واپس ہوا۔ میں آئی سی یو (I.C.U) میں ہی تھا کہ اس بستر سے ایک چیخ نے پھر متوجہ کیا۔ میں گیا تو مریض کی آنکھیں ایک طرف کو پھری ہوئی تھیں۔ منہ سے جھاگ نکل رہی تھی ۔ ہاتھ اور پاؤں اینٹھ سے گئے تھے۔سارا جسم زوردار جھٹکے سے ہلا ، گلے سے خرخر کی آواز آئی پھر سارا جسم ڈھیلا پڑ گیا،سانس چلنا بند ہوگیا،نبض پر ہاتھ رکھا تو اپنی ہی نبض محسوس ہوئی ۔ساتھ بیٹھی بیوی کے منہ سے چیخ نکل گئی اور اپنے پاس بیٹھے بچوں کے ساتھ لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ میں نے نرس سے کہا ان کی مدد کر دیں۔اور ڈسپنسر سے کہہ دیں کہ پاؤں کے انگوٹھوں کو آپس میں ملا کر باندھ دیں۔ٹھوڑی اور چہرہ بھی باندھ دیں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیں۔خوراک کی نلکی اور پیشاب کی نلکی کو نکال دیں۔ بچے اپنی ماں کا رونا دیکھ کر رونے لگے۔ وہ عورت مجھ سے کہنے لگی۔ ڈاکٹر صاحب میرا اب دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ایک ہی آسرا تھا وہ بھی چلا گیا۔اس زندگی نے بڑے ہی دکھ دیئے ہیں۔اب زندگی ان کے بغیر کیونکر گزرے گی۔ جواباً میں نے اس سے صبر کی تلقین کرنے کی کوشش کی لیکن میری آواز نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ بڑی مشکل سے ضبط کر کے میں وہاں سے واپس ہوا۔ وارڈ سے نکلتے ہوئے اس عورت کی ہچکیوں کی آواز اور بچوں کے رونے کی آواز نے جو چھوٹی چھوٹی عمروں میں یتیم ہو گئے تھے مجھے بھی آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے

؎
جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے — مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بُو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے — جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سونے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے
جب اس بزم سے اٹھ گئے دوست اکثر — اور اٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
جو ہر وقت پیشِ نظر ہے یہ منظر — یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیونکر
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

ایک عورت جس کو کافی عرصہ دل کی بیماری تھی میرے پاس آتی جاتی۔ جو علاج تجویز کر دیتا وہ لے کر چلی جاتی۔ پہلے اس کا دل کا آپریشن بھی ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ کافی عرصہ ٹھیک رہی۔ تیز چلتے ہوئے اس کا سانس زیادہ اکھڑتا تھا۔ آہستہ میں اس کو تکلیف کم ہوتی۔ وہ اکثر مجھ سے اپنے دائیں پاؤں میں درد کی شکایت کرتی جس کی میں دوا کر دیتا۔ وہ ٹھیک ہو جاتا۔ اس نے اپنی زندگی میں بڑے دکھ دیکھے۔ اس کا شوہر اس کا زیادہ خیال نہ رکھتا تھا۔ اس کے شوہر کی زیادہ زندگی باہر ملک میں گزری تھی۔ اپنے بچوں کی پرورش اچھے انداز میں کی۔ سختیاں برداشت کیں۔ لیکن بہت کم کسی سے کچھ مانگا۔ عبادت کرنے والی، اپنے ذکر واذکار میں وقت گزارتی۔ میں نے اس کو کبھی زیور پہنے ہوئے یا میک اپ کیئے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ وہ آئی تو اس کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا پہنا ہے؟ تو جواباً کہا میرا شوہر آیا ہوا ہے۔ بہت عرصہ بعد اس کے لیے ہی تو پہنی ہیں۔ اس دن وہ کافی خوش تھی۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ اس کی ایک رشتہ دار عورت اس کے پاس آئی اور کہا چلو میرے ساتھ میں تمھارے ٹیسٹ بڑے ہسپتال میں کروادوں گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ وہاں دل کے ٹیسٹ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے دل کے ایک حصہ میں تھوڑا سا خون جما ہوا ہے۔ ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ اس کو داخل کروا کے اس کا آپریشن کیا جائے ورنہ اس سے انسان کو فالج ہوسکتا ہے۔ اسے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ صحت کے لحاظ سے وہ کافی کمزور تھی۔ چار گھنٹے کا آپریشن ہوا۔ اس سے ہوش آنے کے بعد ایک دن کے وقفے سے آپریشن میں پیچیدگی پیدا ہونے کی وجہ سے دوبارہ آپریشن ہوا۔ جس کے بعد اس کی صحت میں آفاقہ ہوا۔ کچھ دن اسکو وہاں ہی قیام کا کہا گیا۔ اسی دوران اسکی صحت پھر خراب ہوگئی۔ جب دوبارہ داخلہ کے لیے کہا گیا تو کہنے لگی میں اپنے گھر سے ہو آؤں۔ اپنے بچوں سے مل لوں۔ اپنے گھر کو دیکھ آؤں۔ پھر داخل ہو جاؤں گی۔ لیکن صحت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل کر دیا گیا۔ آہستہ آہستہ اسکی صحت خراب ہوتی گئی۔ شروع شروع میں لوگوں کو کچھ پہچانتی تھی لیکن وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگیا۔ میں اس کو دیکھنے گیا۔ تو

اس کوناک کی نالی کے ذریعے نرس خوراک دے رہی تھی۔آنکھوں کی سفیدی زیادہ ہوگئی تھی۔ہونٹ تھوڑے سے جنبش کرتے۔میں قریب ہوا اور آواز دی کہ میں ہوں۔آنکھیں کھولیں ناں! لیکن میری آواز پر بھی اس کی آنکھیں اسی طرح رہیں۔ہائے اس کو کیا ہوا۔کبھی خود کھانا پکاتی اور کھاتی اور کھلاتی ہوگی۔کبھی بولتی اور ہنستی ہوگی لیکن اب خاموش ہے۔میں کچھ دیر کھڑا رہا اس کی پہلی حالت اور اب کی حالت کا موازنہ کرتا رہا پھر وہاں سے اُٹھ آیا۔رات کے پچھلے حصہ میں جب دنیا سو رہی تھی اور بعض اللہ کے بندے اپنے رب کے سامنے کھڑے تھے پاس بیٹھی عورت (اس عورت کی بہن) نے اپنے اوپر بوجھ سا محسوس کیا۔اس کے کہنے کے مطابق کھڑکیوں کے پٹ تھوڑے سے ملے اور چھت سے تھوڑی آواز سی محسوس ہوئی اور پھر میری بہن کا سانس تیز چلنا شروع ہوگیا۔میں نے اس کے پاؤں پر ہاتھ رکھا تو وہ ٹھنڈے برف کی طرح تھے۔تھوڑی دیر دیر گزری تھی کہ میری بہن کا سانس چلنا بند ہوگیا اور چہرہ ایک طرف کو ڈھلک گیا۔اس وقت مؤذن کہہ رہا تھا۔

اشھدان لا الہ الا اللّٰہ اشھدان لا الہ الا اللّٰہ ،

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

واشھدان محمد الرسول اللّٰہ واشھدان محمد الرسول اللّٰہ

اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اس عورت نے بھی اذانیں تو سنی ہی ہوں گی اور ہر اذان کے بدلے جواباً ان باتوں کی گواہی بھی دی ہوگی لیکن آج مؤذن اس کی طرف سے گواہی دے رہا تھا۔اللہ نے اس نیک عورت کی روح کو اس وقت اپنے پاس بلایا۔جب وہ خود نچلے آسمان سے آواز دیتا ہے کہ کوئی ہے مغفرت کا چاہنے والا کہ مغفرت کر دوں۔کوئی ہے مانگنے والا کہ اس کو عطا کروں۔مجھے اپنے رب سے اُمید ہے کہ اللہ نے اس عورت کی بھی مغفرت کر ہی دی ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (انیسویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

محدثِ کبیر فقیہ العصر حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ کی تواضع (۲)

بے نفسی وفنائیت:

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

حضرت مولانا سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ کبھی ایسا لفظ نہیں سنا گیا جس سے اپنی تعریف کی بو آتی ہو۔

حُبِّ جاہ کا یہاں سر کٹا ہوا تھا، اور یہ حُبِّ جاہ علماء و اولیاء کے قلوب سے سب سے آخر میں نکلنے والی بیماری ہے۔

حضرت شاہ عبدالرّحیم رائے پوری کا ارشاد ہے: ’’حُبِّ جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیاء اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے۔ جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تو اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔‘‘

حضرت مولانا نے مسلسل مجاہدات و ریاضات اور مرتب معالجات سے اپنے نفس کو ایسا مٹا دیا تھا کہ بغیر تصنع و تکلف کے بے نفسی وفنائیت طاری رہتی۔ حضرت مولانا کبھی کوئی ایسی بات نہ فرماتے جس سے آپ کے علو مرتبہ یا کشف و ادراک کا احساس ہوتا۔ مولانا محمد علی صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ فرماتے ہیں:

مظاہر العلوم میں ترمذی شریف کے درس میں ایک بار کشف کی بحث آ گئی۔ ایک طالبعلم نے شدت عقیدت سے عرض کیا کہ حضرت آپ پر تو سب کچھ مکشوف ہوتا ہوگا۔ حضرت کو جلال آیا اور نہایت غصے میں فرمایا کہ ’’آپ جیسے صوفیوں کو کشف ہوتا ہوگا، میں تو خدا کا ایک

عاجز بندہ ہوں مجھے تو ظاہری شریعت کی پابندی کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔'' کبھی ایسی گفتگو نہ فرماتے جس سے لوگوں کی عقیدت میں اضافہ یا بزرگی کا احساس ہو۔ اپنی نفی، اپنا انکار اور اپنی کم حیثیتی کا اظہار رہتا۔ مشیخیت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک و معرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت مولانا کے یہاں دستور ہی نہ تھا۔ اگر علماء کی مجلس میں کوئی مسئلہ پوچھا بھی جاتا تو اگر کوئی دوسرا صاحبِ نظر موجود ہوتا تو اس کی طرف محول فرماتے۔ ایسی بات سے گریز فرماتے جس سے آپ کی ژرف نگاہی اور باریک بینی کا اندازہ ہو۔ کسی بھرے مجمعے میں خواہ اس میں کیسے ہی نئے نئے اور سربرآوردہ شخصیتیں کیوں نہ ہوں اپنی لاعلمی اور اپنے عامی ہونے کے اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا، خواہ اس کا اثر حاضرین مجلس اور خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو۔

حضرت منہ کے سامنے تعریف سے بہت ناراض ہوتے۔ اگر کسی جلسہ میں کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ کے چہرہ انور پر رنج وغم کے آثار نمودار ہوتے اور انتہائی سختی سے اس کو روکتے، فرماتے'' میں جو ہوں مجھے خود معلوم ہے۔'' یہ حضرت کی امتیازی صفت تھی کہ کمالات کے باوجود اپنے آپ کو بالکل مٹایا ہوا تھا۔ مجلس میں اگر دیگر حضرات علماء بھی موجود ہوتے تو آپ پر مکمل خاموشی چھائی رہتی۔ آپ کی پر وقار مجلس میں یہ محسوس ہی نہ ہوتا کہ آپ اتنے بڑے درجے کے شیخ اور عالم ہیں۔ علماء کی محفلوں میں خودنمائی اور خودستائی کا دور دورہ ہوتا ہی ہے، مگر حضرت مجسمہ تواضع وانکسار تھے۔

دارالعلوم حقانیہ کے ایک اجلاس کے موقع پر اکابر علماء جمع تھے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب، مولانا عزیر گل صاحب، مولانا نصیرالدّین صاحب اور حضرت مولانا بھی تشریف فرما تھے۔ محافل میں کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ حضرت جیسی کامل وجامع شخصیت بھی موجود ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے سفر پاکستان کے موقع پر راولپنڈی میں جناب عبدالمجید

قریشی صاحب کے مکان پر حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ واردین اور صادرین کا ہجوم تھا۔ ان دو حضرات کے اجتماع سے مجمع کا عجیب رنگ تھا۔ حضرت پر مکمل سکوت رہتا، صرف پوچھنے پر کوئی بات فرما دیتے۔

مولانا نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت ترمذی کا درس دے رہے تھے کہ اتنے میں مولانا عبداللطیف صاحب جو حضرت کے استاد بھی تھے مع حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تشریف لے آئے۔ حضرت ناظم صاحب نے حضرت کی بڑی تعریف کی۔ حضرت صاحب نے فوراً کتاب آگے کی کہ حضرت مجھے اس حدیث کا مطلب سمجھا دیں، حالانکہ اور کوئی ہوتا تو خوب زوردار تقریر کرتا، لیکن حضرت میں نہایت درجہ کی فنائیت تھی، اس لیے اپنے آپ کو چھپایا۔''

مولانا فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں: حضرت مولانا نے باوجود جامع الشریعت وطریقت ہونے کے اپنی ذات کو اس قدر درجۂ فنائیت میں رکھا کہ ناواقف آدمی تو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے پائے کے عالم اور اتنے بڑے درجہ کے شیخ طریقت ہیں۔ بارہا ایسا موقع آیا کہ علماء کا مجمع ہے، سب گفتگو کر رہے ہیں، مگر حضرت خاموش ہیں۔ حتّٰی کہ تلامذہ کے سامنے بھی خاموش رہتے۔ ایک بار کسی دعوت کے موقع پر ایک مسئلہ چھڑ گیا، حضرت کی رائے مسئلہ میں مجھے معلوم تھی، چند علماء ایسے تھے کہ حضرت کی رائے کے خلاف گفتگو کر رہے تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ان کی رائے کی تردید کی، ان سے طویل گفتگو ہوئی۔ چلتے وقت میں نے عرض کیا حضرت! آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ فرمانے لگے تم تھے، میرے بولنے کی کیا ضرورت تھی۔''

مولانا فضل الرحمٰن صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت مولانا کے سفر کراچی کے موقع پر عجیب عجیب کوائف دیکھنے میں آئے۔ حضرت مولانا یوسف بنوری صاحبؒ نے حضرت کی ملاقات کے لیے اوقات مقرر فرما دیے تھے۔ عصر کے بعد مجمع قابل دید ہوتا۔ حضرت حسب

عادت خاموش رہتے اور مجمع پر بھی سکوت طاری رہتا۔اس مجمع پر رحمتوں کی بارش ہوتی نظر آتی ۔کوئی صاحب اگر کوئی بات دریافت فرماتے تو مختصر بات کے بعد پھر خاموشی طاری رہتی۔ واردین میں دریافت کی جرأت نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی کا تسلسل رہتا۔جس پر مولانا عبد الجلیل صاحب مجھے کہتے کہ تم گفتگو کروتا کہ سامعین کچھ سن سکیں ۔الغرض کافی دنوں تک یہی حالت رہی ۔اگر حضرت کی جگہ کوئی اور ہوتے تو تقریریں جھاڑی جاتیں، نکات ورموز کا اظہار ہوتا۔مگر یہاں تو خاموشی اور سکینت میں وہ اثرات وبرکات تھے جو لمبی چوڑی تقریروں میں نظر نہ آتے ۔مجمع دن بدن بڑھتا چلا جاتا اور واردین کا تانتا بندھا رہتا جو اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق دامن بھر کرلے جاتے ۔اس سفر کراچی کے موقع پر حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نے حضرت مولانا کے اعزاز میں چائے کی دعوت کا اہتمام فرمایا۔ دارالعلوم کراچی میں جب مولانا پہنچے تو طلباء وعلماء کا عظیم اجتماع حضرت کی زیارت کا منتظر پایا۔حضرت مفتی صاحب مدظلہ عالی نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ حضرت یہ سب آپ کے مواعظ سننے کے مشتاق ہیں،حضرت نے صاف انکار فرمایا کہ میں تقریر نہیں کرسکتا۔حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ سے حضرت مولانا کو خراج تحسین پیش کیا کہ ’’حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا، زمانہ کے حالات سے متاثر ہو گئے مگر مولانا کا کمال ہے کہ آپ میں کوئی تغیر نہیں آیا۔‘‘حضرت مفتی صاحب کے ان توصیفی کلمات کو سن کر حضرت مولانا کے چہرہ پر رنج والم اور اضطراب کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔حضرت مفتی صاحب کی تقریر ختم ہونے پر حضرت مولانا بنوری نے بہ اشارہ حضرت مفتی صاحب کھڑے ہونے سے قبل حضرت مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میں کیا عرض کروں؟ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ مفتی صاحب نے جو فرمایا ہے اس کی تردید کریں۔مگر حضرت بنوری نے کھڑے ہو کر حضرت کے اوصاف بیان فرمائے جو ہم نے کبھی سنے بھی نہ تھے۔منجملہ ان کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے قبل از بیعت ہی حضرت مولانا کو خلافت عطا فرمادی تھی ۔اس تقریر کے دوران حضرت کے چہرہ پر آثار رنج وغم صاف

نظر آرہے تھے۔ جب حضرت بنوریؒ بیٹھ گئے تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کو تو میں نے تردید کے لیے کہا تھا، آپ نے تو بجائے تردید کے تائید شروع کردی۔ یہ تھا حضرت کا کمالِ انکسار۔

مولانا محمد اسحاق صاحب وزیرستانی فرماتے ہیں کہ ''حضرت پہلی مرتبہ جب جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے تو مدرسہ کے ناظم صاحب نے استقبالیہ جلسہ میں سپاسنامہ پیش کیا جس میں مدح اور تعریف کی گئی۔ آپ کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے معلوم ہورہا تھا کہ طبیعت پر سخت انقباض طاری ہے، چنانچہ جب سپاسنامے کے جواب کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ ''اگر سپاسنامہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے اندر جہل اور گندگی کے کتنے پہاڑ ہیں تو میرے بارے میں ایک لفظ بھی تعریف و مدح کا نہ کہتا۔'' اس دن صاف طور پر معلوم ہورہا تھا کہ حضرت کو مدح بالمواجہ والمشافہ سے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

متعلقین میں سے ایک صاحب نے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ ایسی کتاب مرتب فرمائیں جس میں تمام ائمہ کے حالات وسوانح یکجا جمع کر دیے جائیں۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا اس کے لیے اور ہر تصنیف کے لیے استعداد و قابلیتِ تحریر وتقریر کی ضرورت ہے، جس سے میں بالکل عاری ہوں۔ اگر میرے اندر کچھ بھی اہلیت ہوتی تو آپ کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرتا۔

درحقیقت یہ فنائیت اور بےنفسی حضرت کا حال تھا جس میں کسی تصنع یا مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا۔ بداہۃً اور وجدانی طور پر اپنے کو ہر کمال سے عاری سمجھتے اور اہل نظر کے نزدیک یہ مقام ہزاروں کرامات اور ہزار علوم و معارف سے ارفع ہے۔

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب صاحبزادہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری تحریر فرماتے ہیں: حضرت مولانا کے کمالات میں نمود ونمائش کا بالکل کوئی دخل نہیں، وہ سر سے پاؤں تک شریعت و طریقت کے لعل و جواہر کا ایک خزانہ ہیں، مگر ان کمالات کو اپنے اظہار، بناؤ، ریاکاری اور نمائش کی بالکل ضرورت نہیں۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

اللہ تعالیٰ کی محبت

(حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ)

آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس لیے آپ مومن ہیں اور مومن کی شان یہ ہے (والذین امنوا اشد حبا للہ) کہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ پس آپ کو اللہ تعالیٰ سے ضرور محبت ہے اور ایسی محبت ہے کہ کسی سے بھی اتنی محبت نہیں۔ بعض لوگوں کو شاید اس میں خلجان ہو کہ ہم کو تو بظاہر اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ اولاد اور بیوی کے ساتھ طبعی محبت ہے، عقلی محبت نہیں اور طبعی محبت تو جانوروں کو بھی اپنی اولاد وغیرہ سے ہوتی ہے۔ یہ کچھ کمال نہیں اور نہ اللہ و رسول کے ساتھ ایسی محبت مامور بہا ہے جس کا منشاء محبوب کا کمال ہوتا ہے، سو یہ محبت اللہ و رسول کے ساتھ زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ ان کے برابر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برابر صاحب کمال کوئی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی صاحب کمال نہیں۔ اس لیے آپ کے ساتھ بھی یقیناً بہ نسبت سب کے زیادہ محبت ہے مگر عقلی۔ اور غور کر کے دیکھا جائے تو طبعی بھی مسلمانوں کو اللہ و رسول ہی سے زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں مگر اس کا ظہور کسی محرک کے وقت پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک قصہ سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ہمارے اطراف میں ایک بزرگ مولانا مظفر حسین صاحبؒ گزرے ہیں جو تقویٰ کے اندر ہمارے اکابر میں مسلم و ممتاز تھے۔ وہ ایک بار موضع گوھی پختہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے رئیس نے مولانا سے سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے: (لا یومن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ من نفسہ و مالہ وولدہ اجمعین) کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک اللہ و رسول اس کی جان و مال وغیرہ سب سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جائیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنے والد صاحب سے زیادہ محبت ہے۔ مولانا نے اس وقت تو ایک مناسب جواب دے دیا، پھر یہ چاہا کہ ان کے اس شبہ کو علمی طور پر رفع کر دیا جائے تو زیادہ اطمینان کا باعث

ہوگا۔ چنانچہ آپ نے علمی طور پر اس کا جواب اس طرح دیا کہ تھوڑی دیر میں باتوں باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایسا ہے جس سے ہر مسلمان کو لطف آتا ہے، سب لوگ شوق سے سننے لگے اور وہ رئیس بھی مزے لے لے کر سن رہے تھے۔ جب مولانا نے دیکھا کہ رئیس صاحب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں بہت مزہ آرہا ہے تو درمیان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قطع کر کے فرمانے لگے اچھا خان صاحب اس ذکر کو تو رہنے دیجئے اب میں کچھ آپ کے والد ماجد کے کمالات و مناقب بیان کرتا ہوں کہ وہ بھی بڑے اچھے آدمی تھے۔ وہ رئیس بولے حضرت توبہ توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں میرے والد صاحب کا تذکرہ کہاں سے ٹھونس دیا؟ نہیں نہیں! آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تذکرہ کیجئے۔ میرے والد صاحب کے کمالات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت جو آپ درمیان میں خواہ مخواہ ان کا ذکر کرنے لگے۔ میرے قلب کو اس سے بہت گرانی ہوئی۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا: کیوں خان صاحب! تم تو یہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے والد صاحب کے ساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں والد صاحب کا تذکرہ گراں کیوں ہوا؟ خان صاحب سمجھ گئے کہ مولانا صاحب نے میرے شبہ کا علمی جواب دیا ہے۔ کہنے لگے مولانا جزاک اللہ اب میرا شبہ جاتا رہا اور معلوم ہوگیا کہ الحمد للہ مجھے نبی ﷺ کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ والد کی محبت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی ؎

مرا با جانِ جاں ہم راز کردی

تو صاحبو! موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اللہ اور رسول ﷺ کے برابر مسلمان کو کسی سے محبت نہیں اور موازنہ ہوتا ہے کسی محرک کے پائے جانے پر مثلاً فرض کرو ایک شخص تمہارے ماں باپ کو گالی دے اور ایک شخص اللہ اور رسول ﷺ کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کرے تو بتلاؤ کہ تم کس پر غصہ زیادہ آئے گا؟ یقیناً جس نے اللہ اور رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اُس پر زیادہ

غصہ آئے گا اور تم آپے سے باہر ہو کر اس کی زبان نکالنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ جب ہر مسلمان کہ یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ذلت اور ماں باپ کی ذلت برداشت کر سکتا ہے مگر اللہ ورسول ﷺ کی شان میں ذرا گستاخی کا تحمل نہیں کر سکتا تو اب مطمئن رہو کہ بحمدِ اللہ تم کو طبعی محبت بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ ہے مگر اس کا ظہور کسی محرک کے پائے جانے پر ہوتا ہے اور جب آپ کو اللہ اور رسول ﷺ سے زیادہ محبت ہے تو اب اس کے کیا معنی کہ بغیر سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ؟ صاحبو! اگر کوئی محبوب ایک مہمل زبان تصنیف کر کے عاشق سے اس میں باتیں کرے تو عاشق اگر سچا عاشق ہے تو یقیناً اس کی قدر کرے گا اور وہ مہمل زبان ہی اس کی نظر میں فصیح زبان سے زیادہ پیاری ہو گی۔ کیونکہ محبوب کی زبان ہے اور قرآن تو مہمل بھی نہیں بلکہ نہایت فصیح و بلیغ اور عجیب شیرین زبان ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اس کی فصاحت، بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہیں۔ مگر جو نہیں سمجھتے ان کو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ جو لوگ تلاوتِ قرآن کے عادی ہیں وہ اس کا خوب تجربہ کئے ہوئے ہیں اور کسی وقت کوئی خوش الحان قاری مل جائے تو ذرا اُس سے قرآن سن کر دیکھ لو کہ بغیر معنی سمجھے تمہیں مزہ آتا ہے یا نہیں؟ واللہ! بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزہ آتا ہے کہ کہ دل پھٹ جاتا ہے۔ بس قرآن کی یہ حالت ہے،

؎ بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارو
برنگ اصحاب صورت راہبوار باب معنی را

پھر رسول ﷺ کے ارشاد مبارک سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گویا اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہو کر محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح سے اس کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا تھا (وما تلک بیمینک یا موسیٰ)

اے موسی! تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کے جواب میں صرف اتنا کافی تھا کہ عصا کہہ دیتے مگر نہیں چونکہ ان کو محبت تھی تو اس وقت کو غنیمت سمجھ کر محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ جواب دیا (ھی عصای اتوکاؤ علیھا و اھش بھا علی غنمی) یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر سہارا لگا لیتا ہوں اور اس سے بکریوں کیلئے پتے جھاڑتا ہوں۔ کتنی طویل بات کی کہ (ھی) بڑھایا اول میں اور یاءِ متکلم کا اضافہ کیا آخر میں۔ پھر اُس لاٹھی کے منافع دو جملوں میں بیان کئے اور اس کے بعد فرمایا (و لی فیھا مارب اُخریٰ) کہ اس میں میرے اور بھی مقاصد ہیں۔ یہ اس واسطے بڑھایا تا کہ آئندہ بھی کلام کی گنجائش رہے کہ شائد حضرتِ حق دریافت فرمادیں کہ ہاں صاحب! اور مقاصد کیا ہیں؟ ذرا وہ بھی بیان کیجئے تو اور بھی باتیں کروں گا یا خود ہی عرض کریں کہ حضور اس وقت اس کی شرح نہ ہوئی تھی میں اب عرض کرنا چاہتا ہوں۔ غرض آئندہ باتیں کرنے کی گنجائش رکھ لی۔ غرض عشاق کو اپنے محبوب سے باتیں کرنے میں عجیب مزہ آتا ہے اور یہ دولت مسلمانوں کو گھر بیٹھے ہر وقت نصیب ہے کہ وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرلیں یعنی قرآن کی تلاوت کرنے لگیں۔

پھر یہ حیرت ہے کہ قرآن کے بغیر سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ بتلایا جائے، کیا یہ فائدہ کچھ کم ہے۔ صاحبو! یہ بڑی دولت ہے مگر اس کی قدر محبت والے جانتے ہیں۔ پس محبت کی ضرورت ہے۔ عشاق کی تو یہ حالت ہے کہ محبوب کا نام سننے میں بھی اُن کو مزہ آتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

؎ الا فاسقنی خمرا و قل لی ھی الخمر
و لا تسقنی سر امتی امکن الجھر

کہ مجھ کو شراب پلا اور زبان سے یہ بھی کہتا رہ کہ شراب ہے، شراب ہے، آخر شراب منہ سے لگ جانے کے بعد اس کی ضرورت ہے کہ نام لیا جائے اس کا۔ یہی راز ہے کہ محبوب کا نام سننے میں مزہ آتا ہے۔ پھر غضب ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا نام سننے میں مزہ نہ آئے اور قرآن سے زیادہ اللہ کا نام کس کتاب میں ہوگا؟ ہر آیت میں قریب قریب بار بار اللہ کا نام آتا ہے اور جابجا اللہ کی حمد و ثنا اس طرح کی گئی کہ اس سے زیادہ کوئی کر نہیں سکتا اور گو ذکر اللہ کے اور طریقے بھی ہیں مگر نماز اور تلاوت سے زیادہ کوئی طریقہ بہتر نہیں۔ (باقی صفحہ ۷ پر)

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْم٥

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ

بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْم٥

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن ٥ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ

بَیْتِ الْعِظَّام.